اداریہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسیحی رسائل و جرائد کا مطالعہ کرنے والوں سے یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اُن کے لکھنے والوں میں رواداری اور برداشت کا جذبہ بتدریج کم ہوتا جارہا ہے، جہاں وہ اپنی مظلومیّت کا اظہار کرتے ہیں وہیں یہ بھی درج ہوتا ہے۔ "دیکھ لیجیے! ورنہ..."۔ اِس اندازِ فکر کی تازہ ترین جھلک مولانا محمد تقی عثمانی کی کتاب "عیسائیّت کیا ہے؟" پر "کلامِ حق" کے مدیر کا تبصرہ ہے۔ یہ کتاب ۱۹۶۷ء سے شائع ہورہی ہے۔ پہلے "اظہارالحق" (تالیف مولانا رحمت اللہ کیرانوی) کے اُردو ترجمے "بائبل سے قرآن تک" کے مقدّمے کے طور پر چھپی اور پھر مستقل کتاب کی حیثیّت سے الگ چھپتی رہی۔ کتاب پڑھنے والے ہماری اس رائے سے اتفاق کریں گے کہ مولانا عثمانی کا لب ولہجہ بالعموم متین اور علمی ہے، البتہ ایک مسلمان عالم کی حیثیّت سے اُنہوں نے اسلام اور مسیحیّت کے درمیان موجود اختلافات میں اسلامی نقطۂ نظر کی توثیق کی ہے۔ بہرحال مدیر "کلامِ حق" کی رائے یہ ہے۔

> تنقید برائے تنقید ایک غیر منصفانہ فعل ہے۔ خاص کر جب کہ اس تنقید کا مدلّل جواب دینے کی راہ میں بے شمار قانونی رکاوٹیں حائل ہوں۔ ہمارے قلم توڑ ڈالے گئے اور زبانیں کاٹ دی گئیں، ہمیں کتبِ اسلامی کے حوالے سے اپنا دفاع کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اور اگر کوئی ایسا کر بیٹھے تو اس پر پاکستان کی سرزمین تنگ ہوجاتی ہے۔ حکومت اس معاملے میں خاموش ہے، حالانکہ ہر کتاب و رسالہ حکومتی اداروں تک پہنچتا ہے۔ تفصیل سے پڑھا جاتا ہے، مگر مسیحیّت کے خلاف بے حیائی سے لکھنے والوں کا محاسبہ کرنے والا کوئی نہیں۔ ایسی صورت حال شاید ہم جیسے زیادہ عمر کے لوگ برداشت کرلیں، مگر مسیحی نوجوان خون کو روکنا مشکل ہوجائے گا۔
>
> ہمارے خیال میں حالات اِس سطح پر پہنچ چکے ہیں کہ مسیحی نوجوان کی قوّت برداشت ختم ہوتی جارہی ہے۔ اگر حکومت اور علماءِ اسلام نے اِس صورتِ حال پر سنجیدگی سے غور نہ کیا تو نتیجہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔ غازی علم دین شہید جیسے نڈر افراد مسیحی قوم میں بھی ہیں اور کسی کو اِس میں کوئی شک نہیں ہونا چاہیے۔ (ماہنامہ "کلامِ حق"، جولائی - اگست ۱۹۹۵ء، اداریہ)

مسیحی جریدے کے مذہبی دائرے سے ہٹ کر دیکھیں تو سیاسی سطح پر آتش بار مسیحی مقرّرین اور کارکن سیکولر لابی کے تعاون سے وطنِ عزیز کی بنیادی اساس کو چیلنج کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ حال ہی میں ۱۱ اگست کو "کرسچن لبریشن فرنٹ" نے اسلام آباد میں ایک احتجاجی ریلی کا اہتمام کیا جو خیبر پلازہ سے شروع ہو کر پارلیمنٹ چوک پر ختم ہوئی۔ متعدّد مقرّرین نے ریلی سے خطاب کیا اور آخر میں اُنھوں نے اپنے مطالبات پر مشتمل ایک یادداشت وزیرِاعظم کے دفتر میں پیش کی۔ مقرّرین نے جو کچھ اپنے خطاب میں کہا تھا۔ اِس کی تفصیلی رپورٹ تو پیشِ نظر نہیں، مگر "کاتھولک نقیب" کے مطابق مقرّرین نے اِس امر پر زور دیا کہ

پاکستان میں اقلیّتوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا جاتا ہے۔ اور اُنہیں تیسرے درجے کا شہری تصوّر کیا جاتا ہے جِس کی وجہ سے ہمیشہ ہمارا استحصال ہوا ہے۔

فیصل آباد کے کیتھولک بشپ جان جوزف نے سیاست دانوں کو نشانۂ تنقید بنایا۔ اُن کے بقول

ہمارے سیاست دان ملک کو تقسیم کرنے کی سازش کر رہے ہیں۔ ہمارے حکمران بزدل ہو چکے ہیں جو بغیر کلاشنکوف کے باتھ روم تک نہیں جاتے۔ جو کلاشنکوف کراچی میں دہشت گردوں کے خاتمے اور کشمیری بھائیوں کی مدد کے لیے استعمال ہونی چاہیے، ہمارے حکمرانوں نے اُنہیں اپنے طور پر ظاہری [کذا] کر رکھا ہے۔

کرسچن لبریشن فرنٹ کی ریلی کو تنظیم کے چیئرمین نے ریفرنڈم کا نام دیا جو اُن کے بقول

"جبر و استحصال، مذہبی دہشت گردی اور نااہل اراکین اسمبلی کے خلاف ہے۔"

پندرہ روزہ "کاتھولک نقیب" کی اجمالی رپورٹ سے ریلی اور اِس کے مقرّرین کی ذہنی افتاد کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اِس لیے یہ امر چنداں تعجّب خیز نہیں کہ قانون نافذ کرنے والوں نے مقرّرین کے اندازِ اظہار کو اشتعال انگیزی پر مبنی قرار دیتے ہوئے اُن کے خلاف دفعہ ۱۵۳ - الف اور دفعہ ۱۶ ایم - پی - او کے تحت مقدّمہ درج کیا ہے۔

مسیحی برادری کے سخت گیر رہنماؤں کو عام مسیحی کی حمایت تو حاصل نہیں، البتہ اُن کی صفوں میں وہ کمیونسٹ عنصر ضرور شامل ہے جو سوویت یونین کے زوال کے بعد بے کارواں ہو کر رہ گیا ہے۔ اِس عنصر نے بنیادی حقوق کے نام پر دینی قوّتوں کے خلاف صف بندی کر رکھی ہے اور اس سلسلے میں اُسے اُن مؤثر طاقتوں کا حاشیہ بردار بننے میں بھی کوئی عار نہیں جو کل تک اُس کی لُغت میں "نو استعماریت" کی خالق تھیں۔ کمیونسٹ پارٹی آف پاکستان کے سابق رہنما اور وزیرِاعلیٰ سندھ کے حالیہ مشیر جناب جام ساقی نے "کرسچن لبریشن فرنٹ" ہی کے پلیٹ فارم سے کہا تھا کہ "حکومت تمام کالے قوانین کو ختم کرنے کے لیے کوشاں ہے اور وہ بنیاد پرست ملّاؤں سے بلیک میل نہ ہو گی۔" (پندرہ

روزنامہ "کاتھولک نقیب"، ۱۶-۳۱ جولائی ۱۹۹۵ء)

پاکستان ڈیموکریٹک فرنٹ کی مخلوط حکومت کے بارے میں یہ سمجھنا تو درست نہ ہوگا کہ وہ مسلم جمہور کے دینی جذبات کو نظر انداز کرتے ہوئے کوئی اقدام کرے گی، تاہم جنابِ جام ساقی جیسے لوگوں کے خیالات اور بیانات مسیحی برادری کو غلط راستے پر ضرور ڈال سکتے ہیں۔

کیا مسیحی برادری واقعی تیسرے درجے کی شہری ہے؟ قومی اسمبلی اور صوبائی اسمبلیوں کے مسیحی ارکان کو جو سیاسی مناصب حاصل ہیں، کیا یہ تیسرے درجے کے شہریوں کو حاصل ہوتے ہیں؟ قومی اسمبلی کے چار مسیحی ارکان میں سے ایک وفاقی وزیر اور دوسرے پارلیمانی سیکرٹری ہیں۔ اسی طرح صوبائی سطح پر اقلیتی وزارتیں اور مسیحی اقلیتی ارکان کا ان میں عمل دخل ڈھکا چھپا نہیں۔ معاشرتی سطح پر اگر مسیحی برادری کے کسی حصے کو امتیازی سلوک کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو وہ یہ بات کیوں بھول جاتے ہیں کہ ہمیں وراثت میں جو معاشرہ ملا ہے اس میں جاگیردار کے مقابلے میں اُس کے مسلمان مزارع کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ اُس کے سامنے چارپائی پر بیٹھ سکے۔ امتیازی سلوک مذہب پر نہیں بلکہ جاگیردارانہ معاشرتی روایت پر مبنی ہے اور اس صورتِ حال کی تبدیلی کے لیے اُن کی جدوجہد میں وہ افراد بھی شامل ہیں جو ہر لحاظ سے مثالی مسلمان کہلا سکتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ مسیحی رہنما، جو مذہب دوست بھی ہیں، مسلمانوں کی مذہبی قیادت کو نظر انداز کر کے احتجاجی سیاست کا راستہ اختیار نہ کریں، ذرا علمائے کرام کی جانب بڑھ کر تو دیکھیں، شاید تجربہ ناخوشگوار نہ ہوگا۔